© rasailojaraid.com

نے ترجمہ قرآن جیسا مشکل کام سپرد کیا جس کو آپ نے باحسن وجوہ انجام دیا یہی ترجمہ بعد میں مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ کہلایا اور انھی کی ذات گرامی کے باعث (مطبع انصاری) اپنی صحت کے اعتبار سے ہندوستان بھر میں مشہور رہا۔ ۱۹۳۱ء میں مجھے بھی ان سے "صرف بہائی" کے چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

بہادر سنگھ کو ان سب بزرگوں نے مشورہ دیا کہ اب وہ خود اپنے وطن جائیں اور گھر والوں اور دوستوں کو پند و نصائح کریں چنانچہ آپ نے ان کی رائے پر عمل کیا اور بغیر اطلاع کے فرید آباد پہنچے تو اہل دیہ نے ان کا خیر مقدم کیا مگر دوسرے ہی روز پھر سب جمع ہوئے اور انھوں نے آپ کے والد صاحب کا بائیکاٹ کر دیا اور یہ الزام لگایا کہ وہ بباطن مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ کہ انھوں نے بہادر سنگھ کو فراری کے مواقع بہم پہنچائے۔ اس حرکت سے قریب کے دیہات میں بہت چرچے ہوئے اور لوگ آپ کو دیکھنے اور ملنے کے لئے دور دور سے آئے اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہونے لگے آپ نے اچھی خاصی تبلیغ شروع کر دی۔ مسائل دریافت کرنے والوں اور فتاویٰ حاصل کرنے والوں کا تانتا سا لگ گیا۔ گھر والے اس سے بہت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے وقت پر وہیں اذان دینا اور وہیں نماز پڑھنا کوئی بات ہی نہ تھی۔ گھر والے آپ کو بہادر سنگھ کہہ کر پکارا کرتے تھے آپ نے کہا کہ آئندہ انھیں صرف "محمد" کہہ کر پکارا کریں اسے ان سب نے اس شرط پر تسلیم کیا کہ وہ گھر پر نماز نہ پڑھا کریں بلکہ قصبہ سے دور ادا کیا کریں اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے آپ نے ان کی یہ شرط مان لی اور قصبہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک چاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے قیام گاہ بنائی اور کافی عرصہ اسی حالت میں گذارا۔

ایک روز کرنا خدا کا کیا ہوا کہ آپ اپنے گھر کے دالان یا کمرے میں کہیں آرام کر رہے تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کوئی شے لینے یا رکھنے کے لئے برابر کی کوٹھری میں جانا چاہتی تھی کہ جیسے ہی وہ پاس سے گذری آپ نے جرأت کر کے آنچل پکڑ کر روک لیا اس سے قبل تبدیلی مذہب کی بنا پر دونوں میاں بیوی کے لب پر مہر خاموشی تھی۔ آپ نے کہا کہ بولنا چالنا کیوں بند کر رکھا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں وہی ہوں جو چند سال پیشتر تھا میرا تمہارا رشتہ قطع ہونے والا نہیں ہے کہو اب تمہاری کیا مرضی ہے۔ اس عفیفہ نے جواب دیا کہ میری کوئی مرضی نہیں۔ مرضی تو آپ کی ہے۔ میں آپ کی ہو چکی ہوں۔ ہر حال میں اسی گھر میں رہوں گی اور یہاں سے مر کر ہی نکلوں گی۔ اور آپ کا جو حکم ہوگا اسے بجا لاؤں گی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو میں بھی تمہارا ہو چکا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لوگی تو ہم میاں بیوی رہ سکتے ہیں اور میں تمہارے اسلام لانے سے اپنے تئیں بہت خوش قسمت سمجھوں گا۔ اہلیہ محترمہ نے رضامندی ظاہر کی تو آپ بہت خوش ہوتے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے جس نے تمہارے دل میں تبدیلی پیدا کی ہے وہی آئندہ کے لئے بھی کوئی صورت پیدا کر دے گا اسی فکر میں کہ اب کیا کیا جائے آپ دریا پار ایک گاؤں میں وہاں کے نمبردار سے جو بنیا تھا مشورہ کے لئے گئے نمبردار بہت بارسوخ بعد ہر دلعزیز تھا اس نے کہا مولوی صاحب گھبرانے کی بات نہیں خدا سازگار ہے انشاء اللہ جو ہوگا بہتر ہوگا۔ اس کے بعد اس نے آپ کا لائحہ کار مرتب کیا اور آپ قصبہ میں واپس آگئے چند روز بعد دیوالی کا تہوار تھا گھر میں چراغاں ہوا۔ خوب زور شور سے تہوار منایا گیا رات کے آخری حصے میں یکے بعد دیگرے سب گھر والوں پر نیند غالب آگئی تو آپ خدا پر بھروسہ کر کے مع اہلیہ محترمہ کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے قصبہ کے باہر کچھ فاصلے پر آپ کو دو گھوڑے تیار کھڑے ملے دونوں میاں بیوی گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پہنچے۔ وہاں دو کشتیاں پہلے سے موجود تھیں دونوں ایک کشتی پر سوار ہو کر دریا پار ہو گئے اور بنیا نمبردار کے مکان پر پہنچے۔ علی الصباح اس گاؤں کی مسجد میں آپ کی اہلیہ مشرف باسلام ہوئیں تجدید نکاح اور ایجاب و قبول ہوا اور نمبردار نے اپنے آدمیوں کی معیت میں اس خوش قسمت جوڑے کو دہلی روانہ کر دیا پروگرام یہ تھا کہ دو گھوڑے تو میاں بیوی کے واسطے تھے ہی مگر دریا تک راستہ کے دونوں جانب تقریباً دو سو لٹھ بند زمیندار بھی حفاظت کے لئے راستہ کے دو رویہ اس طرح کھڑے تھے جیسے وائسرائے کی گذرگاہ پر پولیس یا فوج کے جوان کھڑے ہوتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جوں جوں ان کے گھوڑے آگے چلتے گئے زمیندار سمت کران کے پیچھے چلتے گئے اور کشتیوں پر سوار ہوکر دونوں کی طرف سے باراتی بن گئے یہ بھی معلوم ہوا کہ کشتیوں کو دریا کے پار اس وقت تک نہیں جانے دیا گیا جب تک کہ میاں بیوی دہلی روانہ نہ ہو گئے۔

صبح گھر والوں نے جب دونوں کو غایب پایا تو کہرام مچ گیا۔ اہلیہ محترمہ کے والد کو بادل ناخواستہ اطلاع دی گئی جو فرط غم میں اس جوڑے کو ڈھونڈنے نکلے اور اس کے بعد وہ آج تک واپس نہیں آئے اور نہ ہی وہ اپنی لڑکی اور داماد سے کہیں ملے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

دہلی میں مدت مدید رہنے کے بعد جب مولوی محمد صاحب صاحب اولاد ہو گئے تو مع بال بچوں کے فرید آباد تشریف لے گئے مگر اس مرتبہ ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہو چکا تھا پھر اس کے بعد بھی بار بار وطن جاتے رہے اور عزیزوں سے ملتے رہے ان کے بڑے بھائی سردار کاہن سنگھ بھی ملنے کے لئے دو مرتبہ دہلی آئے خط و کتابت بھی ہوتی رہی اور تمام خلفشار مٹ گئے مولوی صاحب موصوف دہلی میں بہت ہی کثیر المشاغل رہتے تھے۔ بید متقی اور ملنسار تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے جامع المصحف کے دیباچہ میں آپ کے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے:۔

ترجمہ کے حق میں یہ ایک فال نیک تھی کہ حسن اتفاق سے مولوی ابو عبد الرحمن محمد صاحب ہاتھ آ گئے اور وہ شروع سے آخر تک میرے شریک بلکہ ایک اعتبار سے شریک غالب اور مددگار رہے ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھتے۔ بیچ میں میز خالی ہوتی میرے ہاتھ میں قرآن مجید اور کبھی میں نے حفظ پر اعتماد کیا تو قرآن بھی نہیں مولوی محمد صاحب کے گرداگرد تراجم اور تفاسیر اور کتب لغت میں ایک جملے یا ایک آیت کا ترجمہ جب الفاظ قرآن سے سمجھا بولتا اور مولوی محمد صاحب اس کو قلمبند کرتے اور پھر مجھ میں اور مولوی صاحب میں بحث ہوتی اور اختلاف کی صورت میں تراجم اور تفاسیر اور لغت کی طرف رجوع کیا جاتا اس طرح پر سارے قرآن کا ترجمہ کیا گیا بر اسہ قرآن کا ترجمہ ہے نہ دوسرے ترجموں کی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمے کا ترجمہ اس کا ماخذ قرآن کے الفاظ ہیں نہ کسی مفسر یا مترجم کے۔ پھر ہم دونوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی مولوی محمد صاحب ترجمہ پڑھتے اور میں عبارت کی سلاست اور الفاظ کی نشست کا دھیان رکھتا اور ترجمہ کو الفاظ قرآن سے ملاتا اور پھر ہم میں پہلے کی طرح بحث ہوتی اکثر ایسا ہوا ہے کہ بحث میں رنجش بھی ہو جاتی تھی مگر چونکہ دونوں کی نیت بخیر تھی۔ ہم دونوں نے کبھی مناظرے کی حد سے تجاوز نہیں کیا ابھی متفق ہو گئے ابھی لڑے اور ابھی ملے

مولوی محمد صاحب کا وصال غالباً ۱۹۱۰ء میں اور آپ کی اہلیہ محترمہ کا ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا تین خورد سال بچے یکے بعد دیگرے فوت ہوئے ایک لڑکی خدیجۃ الکبریٰ اور ایک بچی انفلوئنزا کے دنوں میں ایک سال کے فرق سے یہ بہن بھائی بھی راہی عدم ہو گئے لڑکے کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور باپ ہی کی طرح بہت خلیق اور صالح جوان تھا مولوی صاحب مرحوم کے تین نواسے اور ایک نواسی پاکستان میں بقید حیات ہیں صاحب اولاد ہیں اور کاروبار کرتے ہیں مولوی محمد مرحوم کے اعزا نے ان کے لڑکے مولوی عبدالرحمن کے نام تین سو بیگھہ زمین سن بلوغ کو پہنچنے کی واہ خارج کرا دی تھی جس کی آمدنی وہ کئی سال تک لیتے رہے اب معلوم نہیں انقلاب کے بعد وہ زمین کس کے قبضے میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے رشتہ دار سب کے سب حق پسند اور شریف النسان تھے۔

سلسلۂ تاریخ ملت — نبی عربی صلعم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جدید ایڈیشن جس میں اخلاق سرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہر القادری کا سلام بحضور خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے قیمت عہ مجلد عہ۔ بقیہ حصص، خلافت راشدہ عہ، خلافت بنی امیہ عہ

خلافت [illegible] عہ، خلافت عباسیہ [illegible] خلافت عباسیہ [illegible] تاریخ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند نئی کتابیں

از

(خواجہ احمد فاروقی ایم۔اے)

پچھلی سہ ماہی کے اردو ادب میں بڑی رنگارنگی اور بوقلمونی ہے۔ اس میں ناول بھی ہیں افسانے بھی۔ منظومات بھی۔ اور مضامین و مقالات بھی۔ تنقیدات اور سوانح و سیر بھی۔ ارتقا کی وسعت اور پہنائی میں تین مہینے کی بساط ہی کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ارتقا کا یہ مسافر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کی رفتار بہت تیز نہ سہی لیکن یہ کیا کم ہے کہ اس نے کبھی ایک جگہ قیام نہیں کیا۔ اور کسی رہ گزر کو منزل نہیں بنایا۔

اس زمانہ کی ایک اہم کتاب ۱۹۴۹ء کا بہترین ادب ہے۔ اسے مکتبہ شاہراہ دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس کے ترتیب دینے والے غلام ربانی تاباں۔ گوپال متل۔ کمال احمد صدیقی اور پرکاش پنڈت ہیں۔ اس کے تین حصے ہیں (۱) مقالات (۲) منظومات (۳) افسانے اور خاکے۔ یہ ۱۹۴۹ء کے ادب کا اچھا انتخاب ہے۔ لیکن بہترین کا اطلاق مشکل ہے۔ اڈیٹروں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ انھوں نے اُردو کے تمام مشہور رسائل و جرائد کی ورق گردانی کی ہے لیکن انتخاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف چند مخصوص رسائل و جرائد کے لکھنے والوں کو انتخاب کیا ہے۔ اور ان ہی کی تخلیقات کو بہترین ادب میں شامل کیا ہے۔ حالانکہ دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد۔ مثال کے طور پر علیگڈھ میگزین کے غالب نمبر اور نگار کی پچھلی اشاعتوں میں یقیناً ایک آدھ مضمون ضرور اس حیثیت کا تھا جو اس محفل میں غیر غیر نہ معلوم ہوتا۔ دراصل انتخاب کا معاملہ ذوقی وجدانی بلکہ اصولی اور مقصدی ہے اور اس سے بقول غالب "دل کا معاملہ" کھل جاتا ہے۔ اس لئے اچھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا کہ فاضل اڈیٹر اپنے اصول انتخاب اور معیار ادب سے ہمیں آگاہ کر دیتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ ۱۹۴۹ء کے پورے ادب کا جائزہ لیا جاتا اس کی صحیح قدر و قیمت متعین کی جاتی۔ اور مستقبل کے لئے نئی راہیں نکالی جاتیں۔

مقالات کی تعداد پانچ ہے۔ لیکن ان میں سے تین قابل ذکر ہیں۔ احتشام حسین صاحب نے حالی کے سیاسی شعور کا تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ حالی رجعت پسند، تنگ نظر اور ابن الوقت نہیں تھے بلکہ فراخدل۔ وسیع القلب، نئی زندگی کا استقبال کرنے والے اور حقیقت پرست تھے، اور سارے ملک کو جاگیرداری کے نظام سے باہر نکال کر صنعتی دور کے قبول کرنے پر تیار کرنا چاہتے تھے۔ احتشام صاحب کی نظر ادب کے تاریخی پس منظر پر بہت اچھی ہے۔ اور وہ واقعات کی تعبیر کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔ یہ بصیرت ان کے اس مضمون میں بھی نظر آتی ہے۔

دوسرا اہم مضمون رام بلاس شرما کا زبان کے متعلق ہے ان کا خیال ہے۔ کہ زبان کے مسئلہ میں سامراجی مداخلت سے بڑا نقصان پہنچا ہے انھوں نے غالباً سب سے پہلے گریرسن کے سامراجی مقاصد کو واضح کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ہندی اور اردو کے دو ادبی روائتی اسٹائل ایسی بڑی رکاوٹیں نہیں ہیں جو دور نہ ہوسکیں۔ یہ رکاوٹ انگریزی دور میں پیدا ہوئی۔ اب اسے دور کرنا ہے اس لئے کہ ایک قوم کی ایک ہی وقت میں کئی کئی زبانیں نہیں ہوسکتیں

اس مجموعہ کا تیسرا اہم مضمون ممتاز حسین صاحب کا ادب عالیہ کے متعلق ہے انھوں نے ماضی کے ادب کے جانچنے کا جو معیار پیش کیا ہے۔ اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے لیکن عجیب لطیفہ ہے کہ اس مضمون پر بعض انتہا پسند حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی انھوں نے جو معیار پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

"ادب مخصوص قدروں اور خیالات کی تبلیغ کرتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس تبلیغ کا اثر وقتی ہے یا دیرپا۔ وہ ہمارے خیالات اور جذبات کو متحرک کر کے ایک دیرپا عمل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک کرتا ہے یا صرف وقتی جوش دلا کر چھوڑ دیتا ہے وہ ہمارے احساسات اور نفسیات کی جوابی صلاحیتوں کو چھوتا ہے کہ نہیں اس میں اتنی صلاحیت ہے یا نہیں کہ وہ ہماری نفسیات پر اثر انداز ہو کر ہمیں حالات کے بدلنے اور خود اپنے کو بدلنے میں مدد دے سکے۔ اور ہماری نفسیات کو نئی قدروں سے ہمنوا کر کے ایک نئی جذباتی تنظیم بھی کر سکے۔ دراصل ہر اچھے اور دوامی ادب کے جانچنے کا معیار یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے بہتر اور بلند تر خیالات سے روشناس کرتا ہے۔ یا نہیں۔ اس میں انسان کے دکھے ہوئے دل کی فریاد اور اعلیٰ ترین منصوبوں کی پرچھائیں ہے یا نہیں لیکن یہ کام بقول ممتاز صاحب "چیخنے اور چنگھاڑنے کا نہیں ہے" آگ میں کود کر اسے گلزار بنانے کا ہے۔ اسی وقت شعر و ادب کی اعلیٰ تخلیق ممکن ہے۔

منظومات کا حصہ کمزور ہے۔ اس میں نئی روح نئی معنویت اور ایک نئی عملیت تو ہے لیکن اس کا نشتر دل پر نہیں لگتا۔ اس مجموعہ میں مشکل سے ایک آدھ نظم یا غزل ایسی ہو گی جس کو ابدیت کے دربار میں جگہ حاصل ہو سکے۔ یا جس کو ۱۹۴۹ء کے بعد لوگ گنگنا سکیں اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے شاعروں کے ساز ٹھنڈے ہیں اور محرومی اور ناکامی نے ان کو مگو کی حالت میں مبتلا کر دیا ہے

افسانوں میں کرشن چندر کا افسانہ مہالکشمی کا پل بہت کامیاب ہے اس افسانہ میں طنز و مزاح کا لطف ہے۔ اس کے ذریعے ہم غریب ہندوستان کے نسوانی طبقہ کی زندگی کا اندازہ کر سکتے ہیں یعنی ان کی امنگوں۔ ان کی آرزوؤں۔ ان کی محرومیوں کا کرشن چندر نے یہ داستان چھ ساڑیوں کے ذریعہ بیان کی ہے جو مہالکشمی کے پل کے بائیں طرف لٹک رہی ہیں۔ خاص کا ذکر کر کے عام کی طرف ذہن کو منتقل کر دینا معمولی بات نہیں ہے کرشن چندر کو فن پر پورا عبور ہے اور کسی جگہ اس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہے۔

عصمت کا کیڈل کورٹ بھی اسی قسم کا افسانہ ہے لیکن اس میں وہ فنی پختگی اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ساز نہیں ہے جو کرشن چندر کے افسانہ میں ہے۔ ابراہیم کا افسانہ "جانور" معمولی ہے۔ فن کے اعتبار سے بھی۔ ادب کے اعتبار سے بھی اور مذاق کے اعتبار سے بھی۔

۱۹۴۹ء کے اس ادب میں زندگی ہے قوت ہے۔ شدت احساس ہے۔ لیکن ابھی اصل اصلی ہندوستان کی نمائندگی کرتا ہے جو شہروں کے بجائے دیہاتوں میں نظر آتا ہے محض خارجی اور سطحی علامتوں کی نقل کافی نہیں ہے۔

اس زمانہ میں ایک مختصر سی کتاب "کارواں" مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوئی ہے یہ حضرت روش صدیقی کی ایک طویل نظم ہے جو اتنی حسین و جمیل شائع ہوئی ہے کہ دل و نظر دونوں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ عروس جمیل اور لباس حریر واقعی اسی کو کہتے ہیں۔

یہ ۱۹۲۹ء میں لکھی گئی تھی۔ اب پورے دس سال کے بعد سترہ اٹھارہ بند کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس نظم میں فلسفی اور شاعر کا مکالمہ ہے اور جو مسائل زیر بحث ہیں۔ وہ یہ کہ زندگی کیا ہے وہ رہ گزر ہے یا منزل۔ رہ گذر ہے تو کیا شاہراہ علم ہے یا شارع عمل یا جادۂ عشق؛ یہ متاعِ زندگی آخر کیا ہے۔ شاعر نے ایک ایک یت یا ISM کا جائزہ لیا ہے لیکن وہ کسی منزل پر قیام کرنا نہیں چاہتا۔ وہ ہر منزل کو شریک کارواں کر لیتا ہے۔ اسے نہ ساحل کی تلاش ہے اور نہ منزل کی۔ اس لئے کہ

تقدیرِ دلِ بشر نہیں۔ تمکینِ سلطانی نہیں
شہر یاری، کشور آرائی، جہاں باقی نہیں

کوئی منزل۔ انتہائے اوجِ انسانی نہیں
کوکبِ تقدیرِ آدم ہے۔ فروغِ امکاں

(ص ۳۷)

آخر میں اس نے بتایا ہے کہ خواب آدم بھی عشق ہے اور تعبیر آدم بھی عشق وہی ابتدا ہے اور وہی انتہا۔ یہی عشق۔ انسانیت کا احترام سکھاتا ہے۔ اور یہی عشق زندگی کے دکھ درد کا علاج بن سکتا ہے عشق کا یہ نظریہ ماضی سے مختلف ہے اور ڈاکٹر رلی کا متے وو خود۔۔۔ خیالات سے ملتا جلتا ہے۔ یہ ماہر حیاتیات کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کے متعلق ہمارا علم نامکمل ہے

Dr. Leempha du Nouy کے

© rasailojaraid.com